قرآن کریم میں سجع کا ورود اور موسیقیتِ قرآن (تحقیقی مطالعہ)

عابد نعیم*

سجع کا لغوی معنی:

''سجع'' کے لفظی معنی سیدھا ہونے، ایک چیز کے دوسری چیز کے مشابہ و مماثل ہونے اور ایسی گفتگو کرنے کے آتے ہیں کہ جو شعر کے قوافی کی طرح مقفی ہو مگر موزون نہ ہو۔ کبوتر کی آواز کیلئے ''سجع'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے، جس کے معنی کبوتر کے ایک طرز و انداز پر آواز نکالنے کے ہوتے ہیں۔ اگر ''سجع'' کے لفظ کی نسبت اونٹنی کی طرف ہو تو اونٹنی کا لمبی آواز نکالنا مراد ہوتا ہے۔

سجع کا معنی لغوی بیان کرتے ہوئے ابن منظور لکھتے ہیں:

" سجع يسجع سجعاً: استوى واستقام وأشبه بعضه بعضاً، والسجع الكلام المقفى والجمع أسجاع وأساجيع، وسجّع تسجيعاً: تكلّم بكلام له فواصل كفواصل الشعر من غير وزن....وسجع الحمام يسجع سجعاً هدل على جهة واحدة''(۱)

ابن درید ''سجع'' کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

" والسجع القصد وسجعت الناقة إذا مدت صوتها بالحنين ويقال سجعت الحمامة إذا رددت صوتها" (۲)

''Edward William Lane'' ''سجع'' کا معنی یوں بیان کرتے ہیں:

" سجعت الحمامة The pigeon continued its cry uninterruptedly in the uniform way"

" سجعت الناقة The she-camel prolonged her yearning cry in one uniform manner" (۳)

سجع کا اصطلاحی معنی:

اصطلاحی طور پر سجع حسنِ کلام کی ایک ایسی صورت ہے کہ جس میں دو فقروں کے آخری کلمات میں قافیہ اور وزن کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

ابن سنان الخفاجی نے سجع کی تعریف ان الفاظ میں ذکر کی ہے:

" ويحد السجع بأنه تماثل الحروف فى مقاطع الفصول" (۴)

یعنی کلام کے آخری کلمات کے حروف کا مماثل ہونا سجع کہلاتا ہے۔

ابن الاثیر ''سجع'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

" تواطؤ الفواصل فى الكلام المنثور على حرف واحد" (۵)

---

* لیکچرار، ایف سی کالج یونیورسٹی، لاہور

’’نثر میں کلام کے آخری کلمات کا ایک حرف پر اختتام میں موافق ہونا سجع ہے‘‘

سجع کی تعریف کرتے ہوئے علامہ عبدالرحمان القزوینی رقمطراز ہیں:

”هو تواطؤ الفاصلتين من النثر على حرف واحد“ (۶)

یحیی بن حمزہ علوی نے ’’کتاب الطراز‘‘ میں سجع کی تعریف یوں نقل کی ہے:

”اتفاق الفواصل فى الكلام المنثور فى الحرف أو فى الوزن أو فى مجموعهما“ (۷)

کلام منثور میں کلام کے آخری کلمات کا ایک حرف یا وزن یا ان دونوں خصوصیات میں یکساں ہونا سجع کہلاتا ہے۔

ابن درید نے یوں تعریف ذکر کی ہے:

”السجع موالاة الكلام على روى واحد“ (۸)

سجع وہ صنفِ کلام ہے کہ جس میں کلام کے آخری حروف مسلسل ایک انداز سے ذکر ہو رہے ہوں۔

علامہ ابوبکر باقلانی اور علامہ بدرالدین زرکشی نے تعریفِ سجع ذکر کرتے ہوئے درج ذیل الفاظ نقل فرمائے ہیں:

”هو موالاة الكلام على وزن واحد“ (۹)

علامہ جلال الدین سیوطی نے ’’سجع‘‘ کی تعریفِ اصطلاحی ان الفاظ میں ذکر فرمائی ہے:

”السجع تواطؤ الفاصلتين من النثر على حرف واحد فهو فى النثر كالقافية فى الشعر“ (۱۰)

یعنی نثر میں کلام کے آخری کلمات کا کسی ایک حرف پر اختتام میں یکساں ہونا، سجع ہے۔ سجع کا نثر میں وہی مقام ہے جو قافیہ کا شعر میں ہے۔

قرآن میں سجع کا ورود وعدم ورود اور مذاہب:

فواصل آیاتِ قرآنیہ کیلئے قافیہ کی اصطلاح استعمال نہ کرنے پر علماء کرام متفق ہیں۔ ان کا اتفاق اس بات پر بھی ہے کہ قرآن پاک مکمل طور پر کلام مسجع نہیں ہے، مختلف فیہ امر یہ ہے کہ آیا قرآنِ پاک کے مقفی وغیر موزون اواخرِ آیات کیلئے ’’فاصلہ‘‘ کے ساتھ ساتھ ’’سجع‘‘ کی اصطلاح استعمال کی جائے گی یا نہیں؟ اس مسئلہ میں علماء کرام کی دو آراء سامنے آتی ہیں:

(۱) اکثر علماء علوم القرآن، اشاعرہ اور چند غیر اشاعرہ ائمہ وعلماء کا موقف یہ ہے کہ قرآن پاک کیلئے سجع کی اصطلاح استعمال کرنا جائز نہیں، اس کے بجائے قرآن پاک کیلئے ’’فاصلہ‘‘ کی اصطلاح مخصوص ہے۔

(۲) علماءِ بلاغت کی ایک کثیر تعداد اور چند دیگر علماء کرام اس رائے کے حامی ہیں کہ قرآن پاک کیلئے ’’سجع‘‘ کی اصطلاح کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں۔ آئندہ سطور میں فریقین کے مذاہب اور دلائل پر روشنی ڈالی جائے گی۔

عدمِ قائلینِ سجع فی القرآن کا مذہب اور دلائل:

جو حضرات سجع کے قرآن پاک میں ورود کو تسلیم نہیں کرتے، ان کا موقف یہ ہے کہ قرآن ایک اعلی وارفع ہستی کا اعلی وارفع کلام ہے، اس کیلئے ایسی اصطلاح استعمال کرنا، جو بے معنی اور بے مقصد کلام یعنی پرندوں کی چہچہاہٹ کیلئے موضوع ہے،

قطعاً نامناسب ہے، نیز قرآن پاک کے کلمات کیلئے وہی اصطلاح استعمال کرنا مناسب اور قرینِ قیاس ہے جو خود اللہ رب العزت نے اپنے کلام پاک کیلئے استعمال فرمائی ہے اور وہ ''فاصلہ'' کی اصطلاح ہے، نہ کہ سجع کی۔

☆ اس مذہب کے سرخیل متکلمین اشاعرہ کے امام، امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (متوفی ۳۲۴ھ) ہیں۔

قدماء میں سے دیگر حضرات کے نام یہ ہیں:

☆ علامہ علی بن عیسی رمانی معتزلی (م-۳۸۴ھ)

☆ علامہ ابوبکر باقلانی (م-۴۰۳ھ)

☆ علامہ بہاءالدین سبکی (م-۷۷۳ھ)

☆ علامہ سعدالدین تفتازانی (م-۷۹۳ھ)

☆ علامہ عبدالرحمن بن محمد ابن خلدون (م-۸۰۸ھ) (۱۱)

☆ علامہ عبدالرحمن الخطیب قزوینی (م-۷۳۹ھ) (۱۲)

متاخرین حضرات میں سے اس مذہب کے قائلین میں سے چیدہ چیدہ نام درج ذیل ہیں:

☆ ڈاکٹر عائشہ عبدالرحمن بنت الشاطیٔ (مصنفہ ''الإعجاز البیانی للقرآن'') (۱۳)

دلائلِ عدمِ قائلینِ سجع:

☆ منکرین سجع فی القرآن کی اہم نصی دلیل حدیث شریف ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ قبیلہ ہذیل کی دو عورتیں آپس میں جھگڑ پڑیں، ایک نے دوسری کو پتھر دے مارا، جس کی وجہ سے دوسری عورت مرگئی اور چونکہ وہ حاملہ تھی، تو اس کے پیٹ میں موجود بچہ بھی مرگیا۔ یہ معاملہ حضور ﷺ کی خدمتِ اقدس میں پیش ہوا تو آپ ﷺ نے فیصلہ فرمایا کہ بچے کی دیت قاتلہ عورت کے خاندان والے ادا کریں گے، نیز مقتولہ کا وارث اس کا بیٹا اور دیگر ورثہ ہوں گے۔ اس فیصلہ کو سننے کے بعد حمل بن نابغہ ہذلی نے کہا کہ

" یا رسول الله، كيف أغرم من لا شرب ولا أكل ولا نطق ولا استهل، فمثل ذلك يطل"

یعنی ہم لوگ کیونکر اس بچے کا تاوان ادا کریں جس نے نہ پیا، نہ کھایا، نہ بولا اور نہ چلایا، اس قسم کے معاملے میں تو دیت نہیں لی جاتی۔ اس کے جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا:

" إنما هذا من إخوان الكهان من أجل سجعه الذی سجع"(۱۴)

ایسی مسجع ومقفی عبارت استعمال کرنے کی بناء پر یہ کاہنوں کا بھائی ہے۔

ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں:

" سجع كسجع الكهان"(۱۵)

یعنی اس نے کاہنوں جیسی مسجع عبارت استعمال کی۔

ایک تیسری روایت میں الفاظ یہ ہیں:

" أسجعاً كسجع الأعراب" (۱۶)

یعنی اس نے دیہاتیوں جیسی سجع استعمال کی۔

ایک چوتھی روایت میں "سجع الجاهلية" کے الفاظ مذکور ہیں (۱۷)۔

☆ صحیح بخاری میں ''باب ما یکرہ من السجع فی الدعاء'' میں روایت مذکور ہے کہ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

" فانظر السجع من الدعاء فاجتنبه فإني عهدت رسول الله ﷺ وأصحابه لا يفعلون إلا ذلك يعني لايفعلون إلا ذلك الاجتناب" (۱۸)

روایت کا مفہوم یہ ہے کہ دعاء کرتے ہوئے مسجع عبارت سے پرہیز کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کا زمانہ پایا اور دیکھا کہ وہ حضرات ''سجع فی الدعاء'' سے مکمل اجتناب کرتے تھے۔

''صحیح ابن حبان'' میں "باب ذكر الزجر عن إكثار المرء السجع في الدعاء دون الشئ اليسير منه" میں حضرت عائشہؓ سے درج ذیل الفاظ مروی ہیں:

" واجتنب السجع في الدعاء فإني عهدت النبي ﷺ وأصحابه يكرهون ذلك" (۱۹)

مفہومِ روایت ہے کہ دعاء میں مسجع و مقفی عبارات سے اجتناب کرو کیونکہ میں نے حضور ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ کا زمانہ پایا اور دیکھا کہ وہ حضرات دعاء میں سجع کو ناپسند فرماتے تھے۔

☆ علامہ رمانی معتزلی فرماتے ہیں کہ:

فواصل سراپائے بلاغت اور سجع من قبیل العیوب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فواصلِ قرآنیہ میں اصل معانی ہوتے ہیں اور فواصل معانی کے تابع ہوتے ہیں لیکن سجع میں اس کے برخلاف ہوتا ہے کیونکہ وہاں چونکہ محض تحسینِ لفظی مقصود ہوتی ہے اور معنوی پہلو کو خاطر خواہ اہمیت نہیں دی جاتی لہذا اسجاع میں معانی تابع اور اسجاع متبوع ہوتی ہیں، اور یہ صورتِ حال تو خلافِ مقصود ہے کیونکہ کلام میں الفاظ کے بجائے معانی مقصودِ اصلی ہوا کرتے ہیں، الفاظ تو محض ان تک رسائی کا ایک وسیلہ اور ذریعہ ہوتے ہیں، نیز اسجاع میں ایک بڑی خامی ان کا ''تکلف'' سے بھرپور ہونا ہے۔ سجع میں تحسینِ لفظی کے حصول کی خاطر کلام کو متکلف اور مشکل بنانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا، لہذا فواصل ان خرابیوں سے پاک ہونے کی وجہ سے بلاغت شمار ہوتے ہیں اور سجع عیب کے زمرے میں آتی ہے (۲۰)۔

☆ علامہ باقلانی نے اپنی معروف کتاب ''اعجاز القرآن'' میں ایک مستقل فصل قائم کی ہے، جس کا عنوان ''نفی السجع من القرآن'' ہے۔ اس فصل میں علامہ نے متعدد دلائل و براہین کی مدد سے اس مذہب کی تائید کی ہے کہ قرآن پاک میں سجع کا ورود نہیں ہے۔

☆ علامہ باقلانی فرماتے ہیں:

"لو كان الذى فى القرآن على ما تقدرونه سجعاً لكان مذموماً مرذولاً، لأن السجع إذا تفاوتت أوزانه، واختلفت طرقه، كان قبيحاً من الكلام. وللسجع منهج مرتب محفوظ، وطريق مضبوط، متى أخل به المتكلم وقع الخلل فى كلامه، ونسب إلى الخروج عن الفصاحة" (۲۱)

اگر بالفرض قرآن پاک میں سجع کا ورود تسلیم کرلیا جائے، تب بھی وہ سجع، سجع مذموم ہوگی اور فصاحت کے درجہ سے خارج ہوگی کیونکہ سجع کیلئے ایک مخصوص و متعین طریق و منہج کلام کے مطابق ہونا ضروری ہے اور اگر سجع میں وزن بار بار تبدیل ہوتا رہے اور طریق و نہجِ کلام میں بار بار تبدیلی ہو، جیسا کہ قرآن پاک میں ہے تو ایسی سجع خارج از فصاحت شمار کی جاتی ہے۔

☆ علامہ باقلانی مزید لکھتے ہیں کہ اگر کلام اللہ سجع ہوتا تو عرب کے فصحاء و بلغاء نہ تو اس کے مقابلہ سے عاجز آتے، نہ ہی اس کو جادو قرار دیتے اور نہ ہی قرآن پاک کا اعجاز ان کے دلوں میں راسخ ہوتا بلکہ چونکہ وہ تو مسجع کلام میں مہارت رکھتے تھے لہذا ان کی طرف سے کلام اللہ کا مقابلہ مسجع کلام کے ذریعہ کیا جاتا۔ جب ایسا نہیں ہوا تو معلوم ہوا کہ قرآن من قبیل السجع ہرگز نہیں ہے۔

علامہ باقلانی کے الفاظ درج ذیل ہیں:

"ولو كان عندهم سجعا لم يتحيروا فيه ذلك التحير، حتى سماه بعضهم سحرا، وتصرفوا فيما كانوا يسمونه به ويصرفونه إليه ويتوهمونه فيه، وهم فى الحملة عارفون بعجزهم عن طريقه، وليس القوم بعاجزين عن تلك الأساليب المعتادة عندهم، المألوفة لديهم" (۲۲)

☆ قائلینِ سجع کی ایک اہم دلیل یہ تھی کہ قرآن پاک میں جب بھی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون (علیہما الصلاۃ والسلام) کا اکٹھا تذکرہ ہوا تو بسبب افضلیت حضرت موسیٰؑ کو مقدم ذکر کیا گیا اور حضرت ہارونؑ کو مؤخر لیکن ایک مقام پر اس ترتیب کا برعکس ہے، وہ مقام درج ذیل ہے:

"قالوا آمنا برب هارون وموسى" (۲۳)

قائلینِ سجع کا کہنا یہ ہے کہ اس مقام پر محض سجع کی رعایت کی خاطر حضرت ہارونؑ کا تذکرہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے کیا گیا کیونکہ اس آیت کا سیاق وسباق "ہارون" کے لفظ کے "موسیٰ" کے لفظ پر تقدم کا تقاضا کرتا ہے۔

علامہ باقلانی اس دلیل کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وأما ما ذكروه من تقديم موسى على هارون عليهما السلام فى موضع وتأخيره فى موضع لمكان السجع وتساوى مقاطع الكلام فليس بصحيح، لأن الفائدة عندنا غير ما ذكروه وهى أن إعادة ذكر القصة الواحدة بألفاظ مختلفة تؤدى معنى واحدا من الأمر الصعب، الذى تظهر به الفصاحة وتتبين به البلاغة" (۲۴)

قائلینِ سجع کا یہ دلیل پیش کرنا کہ ایک موقع پر حضرت موسیٰؑ کو حضرت ہارونؑ پر مقدم کرنا اور دوسرے موقع پر مؤخر

کر دینا سجع کی رعایت کی وجہ سے ہے، درست نہیں۔ اس تقدیم وتاخیر کی وجہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ قرآن پاک میں ایک ہی واقعہ کو مختلف الفاظ کے ساتھ ذکر کرنا حالانکہ مفہوم سب مقامات پر یکساں ہو، ایک مشکل امر ہے اور یہی امر قرآن پاک کی فصاحت وبلاغت کا مظہر ہے۔

☆ ''تقدیم ہارون علی موسی علیہما السلام'' کی بحث کے تحت علامہ حسناوی نے قائلین سجع کی دلیل کی تردید کرتے ہوئے ذکرِ ہارون کو ذکر موسی پر مقدم کرنے کی مزید دو وجوہات بیان فرمائی ہیں

(۱) حضرت ہارون علیہ السلام، حضرت موسی علیہ السلام کی بنسبت کلام پر زیادہ قدرت رکھتے تھے۔ اس کی دلیل قرآن پاک میں حضرت موسی علیہ السلام کا ارشاد ہے:

﴿ وأخي هارون هو أفصح مني لسانا﴾ (۲۵)

میرے بھائی ہارون مجھ سے زیادہ فصیح اللسان ہیں۔

(۲) اہل کتاب سے منقول ہے کہ حضرت ہارون، حضرت موسی سے تین برس بڑے تھے (۲۶)۔ لہذا التقدم فی الذکر کا سبب سجع کی رعایت نہیں بلکہ عمر میں بڑا ہونا ہے۔

☆ ''خزانۃ الأدب وغایۃ الأرب'' میں ''علامہ بہاء الدین السبکی'' کے حوالہ سے یہ دلیل نقل کی گئی ہے کہ قرآنی کلمات کیلئے ''سجع'' کا لفظ استعمال کرنا مناسب نہیں کیونکہ سجع ایک ایسی اصطلاح ہے کہ جس کو خود اللہ رب العزت نے کلماتِ قرآن کیلئے پسند نہیں فرمایا، اس کے بجائے اللہ رب العزت نے کلماتِ قرآنیہ کیلئے ''فاصلہ'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے (۲۷)۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿كتاب فصلت آياته﴾ (۲۸)

قرآن پاک ایک ایسی کتاب ہے کہ جس کی آیات کو فاصلہ کے انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

☆ علامہ عبدالرحمٰن القزوینی ''سجع فی القرآن'' کی نفی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولا يقال في القرآن أسجاع بل يقال فواصل" (۲۹)

یعنی قرآن پاک کے کلمات کیلئے اسجاع (سجع کی جمع) کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بجائے فواصل (فاصلہ کی جمع) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

☆ مذکورہ بالا عبارت کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ سعد الدین تفتازانی فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کے کلمات کیلئے ''سجع'' کے لفظ سے اجتناب بوجہ تعظیم اور ادب کے ہے کیونکہ ''سجع'' لغت میں کبوتر کی آواز کیلئے موضوع لفظ ہے جو کہ ایک بے معنی اور بے مقصد آواز ہوتی ہے، نیز سجع کا لفظ قرآنی کلمات کیلئے استعمال کرنے کیلئے ہمارے پاس کوئی شرعی اذن اور دلیل بھی موجود نہیں۔

علامہ تفتازانی کے الفاظ درج ذیل ہیں:

" و يقال فی القرآن أسجاع رعاية للأدب وتعظيما، إذ السجع فی الأصل هدير الحمام ونحوها وقيل لعدم الإذن الشرعی" (۳۰)

مذہبِ قائلینِ سجع فی القرآن اور دلائل:

علماءِ بلاغت کی اکثریت اس موقف کی حامی ہے کہ قرآن پاک کے کلمات کیلئے سجع کا لفظ استعمال کرنے میں ہرگز کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ کلام اللہ، حدیث پاک اور کلامِ بلغاء اس صنعتِ بلیغ کے استعمال سے پُر ہیں، نیز یہ صنعت قرآن وحدیث کی خوبصورتی کو چار چاند لگا دیتی ہے۔ اس مذہب کے چیدہ چیدہ قائلین کے اسماء یہ ہیں:

☆ علامہ ابو ہلال العسکری (م۔۳۹۵ھ)
☆ علامہ ابن سنان الخفاجی (م۔۴۶۶ھ)
☆ علامہ ضیاء الدین ابن الاثیر (م۔۶۳۷ھ)
☆ امام یحیی بن حمزہ علوی (م۔۷۴۵ھ)
☆ علامہ ابن القیم الجوزیہ (م۔۷۵۱ھ)
☆ علامہ بدر الدین زرکشی (م۔۷۹۴ھ)
☆ علامہ ابن حجۃ الحموی (م۔۸۳۷ھ)
☆ علامہ جلال الدین سیوطی (م۔۹۱۱ھ)

علماءِ متاخرین میں سے اس موقف کے قائلین یہ ہیں:

☆ علامہ سید احمد ہاشمی (م۔۱۳۶۲ھ) (مصنفِ "جواہر البلاغۃ")
☆ سید احمد صقر (علامہ باقلانی کی "اعجاز القرآن" کے مقدمہ کے مصنف)
☆ محمد الصادق عرجون (مصنفِ "القرآن العظيم هدايته وإعجازه فی اقوال المفسرين")
☆ بروکلمان کارل (مصنفِ "تاریخ الادب العربی") (۳۱)
☆ عبد الکریم الخطیب (مصنفِ "اعجاز القرآن") (۳۲)
☆ فتحی عبد القادر فرید (مصنفِ "فنون البلاغۃ بین القرآن وکلام العرب") (۳۳)
☆ ڈاکٹر فؤاد علی رضا (مصنفِ "من علوم القرآن") (۳۴)

دلائلِ قائلینِ سجع فی القرآن:

☆ قائلینِ سجع نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ سجع بذاتِ خود معیوب صنفِ کلام نہیں ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے قائلینِ سجع نے سجع کی دو اقسام بیان کی ہیں۔

(۱) سجع محمود:

یہ وہ قسم ہے کہ جس میں آخری حروف کلمات متماثل ہوتے ہیں، ان میں تکلف کا عنصر نہیں پایا جاتا، متکلم بسہولت وآسانی کلام کرتا ہے، کلام میں الفاظِ سجع کے بجائے معنی مقصود بالذات ہوتا ہے اور الفاظ کی خوبصورتی ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ قسم ہے کہ جو دراصل "سجع" کی اصطلاح کا اصل مصداق ہے، نیز یہ قسم فصاحت اور بلاغت میں ایک اعلی اور ارفع مقام رکھتی ہے، قرآن

پاک میں جو سجع وارد ہے، وہ اسی قسم سے تعلق رکھتی ہے۔ حدیث شریف اور بلغاء کا مسجع کلام بھی اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔

(۲) سجع مذموم:

دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں کلمات کے اواخر میں متماثل کے بجائے قریب المخرج حروف پائے جاتے ہیں، کلام میں تحسینِ لفظی کو اولین اور معنوی جہت کو ثانوی حیثیت حاصل ہوتی ہے، تحسینِ لفظی کی خوبی حاصل کرنے کیلئے متکلم اپنے کلام میں تکلف سے بھی گریز نہیں کرتا۔ اس قسمِ سجع کو عند البلغاء مذموم و مردود شمار کیا جاتا ہے اور اصطلاحاً اسے ''سجع'' کے نام سے موسوم بھی نہیں کیا جاتا (۳۵)۔

☆ قائلینِ سجع نے قرآن پاک، حدیث پاک اور بلغاء کے کلام سے مسجع کلام کی متعدد مثالیں پیش کر کے ثابت کیا ہے کہ سجع معیوب نہیں۔ ارشادِ ربانی ہے:

(۱) ﴿والطور، وكتاب مسطور، فى رق منشور، والبيت المعمور﴾ (٣٦)

(۲) ﴿سبح اسم ربك الأعلى، الذى خلق فسوى، والذى قدر فهدى، والذى أخرج المرعى﴾ (۳۷)

(۳) ﴿يأيها المدثر، قم فأنذر، وربك فكبر، وثيابك فطهر﴾ (۳۸)

(۴) ﴿فأما اليتيم فلا تقهر، وأما السائل فلا تنهر﴾ (٣٩)

(۵) ﴿بل كذبوا بالساعة وأعتدنا لمن كذب بالساعة سعيرا، إذا رأتهم من مكان بعيد سمعوا لها تغيظا وزفيرا، وإذا ألقوا منها مكانا ضيقا مقرنين دعوا هنالك ثبورا﴾ (۴۰)

احادیث مبارکہ میں بھی مسجع و مقفی کلام کی ایک کثیر تعداد موجود ہے۔ مثالیں درج ذیل ہیں:

المستدرک علی الصحیحین میں حضور ﷺ کا ارشاد یوں منقول ہے:

"أفشوا السلام، وأطعموا الطعام، وصلوا الأرحام، وصلوا والناس نيام، تدخلوا الجنة بسلام" (۴۱)

حضرت انسؓ کے بھائی ابو عمیر ایک چڑیا کے بچے کے ساتھ کھیلا کرتے تھے، وہ مر گیا تو حضور ﷺ نے ان سے دل لگی اور خوش طبعی کرتے ہوئے فرمایا:

"أبا عمير، ما فعل النغير" (۴۲)

''حلیۃ الأولیاء'' میں حضرت علی بن أبی طالبؓ کے تذکرہ میں ان کے ایک خطبہ کے مسجع الفاظ یوں مذکور ہیں:

"أوصيكم عباد الله بتقوى الله الذى ضرب لكم الأمثال، ووقت لكم الآجال، وجعل لكم أسماعا تعى ما عناها، وأبصارا لتجلوا عن غشاها، وأفئدة تفهم ما دعاها فى تركيب صورها وما أعمرها" (٤٣)

☆ قرآن پاک سے مسجع کلام کی مثالیں بیان کرنے کے بعد علامہ خفاجی لکھتے ہیں کہ سجع کی قسم محمود کے قرآن میں وجود سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ قرآنی مقفی کلمات کو سجع کا نام دینے میں کوئی شرعی رکاوٹ نہیں۔

"وهذا جائز أن يسمى سجعا لأن فيه معنى السجع ولا مانع فى الشرع يمنع من ذلك" (٤٤)

☆ علامہ جلال الدین سیوطی نے ابن النفیس کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کہتے ہیں:

" يكفى فى حسن السجع ورود القرآن به" (۴۵)

یعنی سجع کی خوبی کیلئے محض یہی کافی ہے کہ اس کا ورود قرآن پاک میں ہوا ہے۔

نیز علامہ سیوطی نے حازم کے حوالہ سے نقل کیا:

" وكيف يعاب السجع على الإطلاق، وإنما نزل القرآن على أساليب الفصيح من كلام العرب، فوردت الفواصل فيه بإزاء ورود الأسجاع فى كلامهم" (۴۶)

سجع کو مطلقاً معیوب کیسے قرار دیا جا سکتا ہے حالانکہ قرآن پاک تو کلامِ عرب کے فصیح ترین اسلوب کے مطابق نازل ہوا اور اس میں مقفی کلام کا ورود اسی طرح ہے کہ جس طرح اہل عرب کے کلام میں مسجع کلام کا وارد ہونا۔

☆ علامہ ابو ہلال العسکری نے تو سجع کی حمایت کرتے ہوئے یہاں تک فرما دیا کہ کسی بھی متکلم کا کلام اس وقت تک بلیغ نہیں کہلا سکتا جب تک کہ وہ سجع جیسی بدیع صنفِ کلام کے ساتھ متصف نہ ہو تو قرآن پاک جیسا بلیغ کلام کیسے سجع سے خالی ہو سکتا ہے۔

علامہ فرماتے ہیں:

" لا يحسن منثور الكلام ولا يحلو حتى يكون مزدوجا ولا تكاد تجد لبليغ كلاما يخلو من الازدواج... وقد كثر الازدواج فيه (أى فى القرآن) حتى حصل فى أوساط الآيات"(۴۷)

☆ جاحظ نے سجع کی حمایت میں درج ذیل دلیل پیش کی:

" وجدنا الشعر من القصيد والرجز، قد سمعه النبى ﷺ فاستحسنه وأمر به شعرائه، وعامة أصحاب رسول الله ﷺ قد قالوا شعرا، قليلا كان أم كثيرا، وسمعوا واستنشدوا، فالسجع والمزدوج دون القصيد والرجز، فكيف يحل ما هو أكثر، ويحرم ما هو أصغر" (۴۸)

مفہومِ کلام یہ ہے کہ حضور ﷺ نے قصائد اور رجزیہ اشعار کو سنا اور پسند فرمایا اور شعراء کو ایسے اشعار تیار کرنے کا حکم بھی دیا، صحابہ کرامؓ کی ایک کثیر تعداد نے شعر گوئی کی، خواہ کم اشعار ہوں یا زیادہ، صحابہ کرامؓ نے اشعار و قصائد سنے اور پڑھے بھی، مسجع اور مقفی کلام کا درجہ قصائد اور اشعار سے یقیناً کم ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اشعار تو اعلیٰ درجۂ ذم میں ہونے کے باوجود مباح ہو جائیں اور سجع اس سے کم تر ہوتے ہوئے ناجائز قرار پائے۔

☆ سجع کے عدمِ قائلین پر سخت الفاظ میں تنقید کرتے ہوئے علامہ ضیاء الدین، ابن الاثیر لکھتے ہیں:

" وقد ذمه (أى السجع) بعض أصحابنا من أرباب هذه الصناعة، ولا أرى ذلك وجها سوى عجزهم أن يأتوا به، وإلا فلو كان مذموما لما ورد فى القرآن الكريم، فإنه قد أتى منه بالكثير حتى إنه ليؤتى بالسورة جميعها مسجوعة كسورة الرحمن وسورة القمر وغيرهما، وبالجملة فلم تخل منه سورة من السور" (۴۹)

بعض اہل بلاغت نے سجع کو مذموم قرار دیا ہے، میرے نزدیک ان کے اس عمل کی سوائے اس کے کوئی وجہ نہیں کہ وہ حضرات خود اس صنفِ بلیغ کے استعمال پر قادر نہیں، وگرنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر یہ صنفِ کلام مذموم ہوتی تو قرآن پاک میں اس کا ورود ہرگز نہ ہوتا حالانکہ قرآن میں اس صناعت کا استعمال بکثرت ہے، یہانتک کہ سورۃ الرحمٰن،

سورۃ القمر اور ان کے علاوہ دیگر کئی سورتیں مکمل مسجع نازل ہوئی ہیں۔ خلاصۃً یہ کہہ دینا کافی ہے کہ سجع سے قرآن پاک کی کوئی سورت مبارکہ خالی نہیں ہے۔

☆ وہ حدیث مبارک جس میں سجع کی ممانعت ان الفاظ میں مذکور ہے کہ ''أسجعا کسجع الکهان'' کے بارے میں علامہ ابن الاثیر فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں حضور ﷺ نے مطلقاً سجع کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ ایسی سجع کی مذمت فرمائی ہے کہ جو کاہنوں کی طرز پر ہو۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ''أسجعا کسجع الکهان'' کے الفاظ فرمانے کے بجائے محض ''أسجعا'' کا لفظ استعمال فرماتے، لیکن آپ ﷺ کا ''أسجعا'' کے لفظ کے بعد ''کسجع الکهان'' (اور دوسری روایت کے مطابق دیگر الفاظ) کا اضافہ کرنا اس امر پر دال ہے کہ آپ ﷺ کا مقصد مطلقاً سجع کی نفی کے بجائے سجعِ کہان کی نفی تھی۔

نیز علامہ ابن الاثیر نے ایک اور انداز اختیار کرتے ہوئے اس روایت پر کلام کیا ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا مذمت فرمانا مسجع الفاظِ کلام کے ساتھ متعلق نہیں بلکہ اس کلام کے مفہوم اور حکم کے ساتھ متعلق ہے کہ جو حضور ﷺ کے دیت کے فیصلہ کے جواب میں کیا گیا کہ جس بچے نے نہ کھایا، نہ پیا، نہ بولا اس کی دیت کیسی؟ یعنی جس طرح کاہنوں کے کلام میں حق کی تکذیب اور عدمِ تصدیق ہوتی ہے، اسی طرزِ کلام کی جھلک معترض کے کلام میں بھی پائی گئی، حضور ﷺ کی مذمت اسی کلام کے حکم کے ساتھ متعلق ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

"فالسجع إذاً ليس بمنهى عنه وإنما المنهى عنه هو الحكم المتبوع فى قول الكاهن فقال رسول الله ﷺ "أسجعا كسجع الكهان" أى أحكما كحكم الكهان وإلا فالسجع الذى أتى به ذلك الرجل لا بأس به... وإنما المنكر هو الحكم الذى تضمنه فى امتناع الكاهن أن يدى الجنين بغرة عبد أو أمة" (۵۰)

''حدیثِ سجع کہان'' کے بارے میں علامہ ابن القیم الجوزیہ لکھتے ہیں:

"الإنكار إنما كان لسجع مخصوص وهو ما قصد به إبطال حق أو تحقيق باطل" (۵۱)

حدیثِ مذکور میں محض ایسی سجع کی مذمت ہے کہ جس کے ذریعے حق کو باطل یا باطل کو حق ثابت کرنے کی مذموم سعی کی جائے۔

☆ عبدالکریم الخطیب اپنی کتاب ''اعجاز القرآن'' میں لکھتے ہیں:

"وأما السجع وإن كان قد اعتمد عليه الكهان... إلا أن العرب قد عرفت النثر المسجوع فى غير سجع الكهان، عرفته فى خطابتها، وفى وصاياها وفى حكمها وأمثالها... أما السجع فهو سجع كهان وسجع غير كهان والمنزه عنه القرآن هو سجع الكهان لا مطلق السجع"(۵۲)

سجع کاہنوں کی طرف منسوب اسلوبِ کلام ہے۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اہلِ عرب میں سے نثرِ مسجوع کا استعمال صرف کاہن ہی نہیں کیا کرتے تھے بلکہ عرب خطبات، وصایا، حکمت کی باتوں اور ضرب الامثال میں بھی نثرِ مسجوع کا استعمال عام تھا، لہٰذا سجع وہ بھی ہے جو کاہن استعمال کرتے تھے اور سجع وہ بھی ہے کہ جو غیرِ کاہن استعمال کرتے

تھے۔قرآن پاک میں جس قسمِ سجع کا ورود نہیں، وہ کاہنوں کی سجع ہے لہٰذا مطلق سجع کی قرآن پاک سے نفی کرنا درست نہیں۔

☆ ڈاکٹر فؤاد علی رضا نے سجع کہان کی خرابیوں اور اس کے عیوب پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا:

"أما سجع الكهان فهو حديث أمرد أهوج، نثر محمل بالرمز، مخلوط بكل آفة، تشوش ألفاظه، ليس لها ضوابط، ومعانيه أشبه بأضغاث الأحلام التي لا يحتمع للمتأولين لها قول مع قول" (۵۳)

کاہنوں کا مسجع کلام کم سن اور کم عقل بچے کی گفتگو کی طرح مبنی برحماقت ہوتا ہے، وہ ایک ایسا کلام ہوتا ہے کہ جس کی حقیقت واضح نہیں ہوتی بلکہ وہ رموز واسرار پر مشتمل ہوتا ہے، وہ ہر قسم کی آفات کا محور ومرکز ہوتا ہے، اس کے الفاظ ایسے غیر مربوط وبے ترتیب ہوتے ہیں کہ ان میں قواعد وضوابط کا یکسر لحاظ نہیں رکھا جاتا، ان کے کلام کے معانی ایسے پراگندہ خوابوں کی طرح ہوتے ہیں جن کی تعبیر وتاویل بیان کرنے والوں میں سے کسی ایک کا موقف دوسرے سے مماثل نہیں ہوتا۔

☆ ''قائلینِ سجع'' کی جانب سے ایک قوی دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ قرآن پاک وحدیثِ پاک میں بعض مقامات پر محض سجع کی مناسبت کی خاطر کلمات اور حروف کو بعض دوسرے ایسے کلمات اور حروف سے تبدیل کر دیا گیا ہے کہ جو سجع کے ساتھ مناسب وموافق تھے، نیز سجع کی خاطر دیگر تبدیلیاں بھی عمل میں لائی گئیں جو سجع کی اہمیت پر دال ہیں۔

علامہ ابن حجۃ الحموی لکھتے ہیں:

"إن السجع مبنى على التغيير فيجوز أن تغير لفظة الفاصلة لتوافق أختها" (۵۴)

سجع کی بنیاد چونکہ تبدیلی پر ہے لہٰذا ایک فاصلہ کو دوسرے فاصلہ کی موافقت سے تبدیل کرنا درست ہے۔

اس کے بعد علامہ نے مثال میں قرآن پاک کی ''سورۃ الضحیٰ'' (پارہ: ۳۰) (۵۵) پیش کی ہے۔ دلیل یوں ہے کہ "الضحى" اور "سجى" کے الفاظ اصلاً ناقص واوی ہیں، لیکن آئندہ کلماتِ اخیرہ "قلى"، "الأولى" وغیرہ کی مناسبت سے انکو یاء سے تبدیل کر کے لکھا گیا ہے۔

علامہ نے اگلی مثال بھی ''سورۃ الضحیٰ'' سے پیش کی ہے اور اس مثال میں محض سجع کی رعایت کرتے ہوئے مفعول بہ کو کلام سے حذف کر دیا گیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى﴾ (۵۶)

یعنی نہ تو تیرے رب نے تجھے چھوڑا ہے اور نہ ہی وہ تجھ سے ناراض ہوا ہے۔

اس مقام پر اصل عبارت ''وما قلاک تھی مگر دیگر آیات کی مناسبت کی وجہ سے آخر میں سے ضمیرِ مخاطب کو حذف کر دیا گیا۔

علامہ ابن حجۃ حموی نے تیسری مثال اس مقام کی پیش فرمائی ہے کہ جہاں ایک متواتر قراءت کے مطابق ایک غیر منصرف پر

مناسبتِ سجع کی بناء پر تنوین پڑھتے ہوئے اسے منصرف بنادیا گیا۔اس کی مثال درج ذیل ہے۔
﴿وَيُطَافُ عَلَيْهِم بِآنِيَةٍ مِّن فِضَّةٍ وَأَكْوَابٍ كَانَتْ قَوَارِيرَا﴾ (۵۷)

امام حفص کی قراءت میں "قواریر" بغیر تنوین کے غیر منصرف پڑھا گیا ہے لیکن قراء سبعہ میں سے ایک کی قراءت کے مطابق اسے "قواریراً" پڑھا گیا ہے اور اس تبدیلی کی وجہ محض ماقبل اور مابعد کلامِ مسجع کی مناسبت ورعایت ہے۔

ان مثالوں کو بیان کرنے کے بعد علامہ فرماتے ہیں کہ ان مثالوں کا ذکر بطور نمونہ کیا گیا ہے، وگرنہ قرآن پاک میں اسی انداز کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔علامہ لکھتے ہیں:

"ولو تتبع المتأمل ذلك في الكتاب العزيز لوجده كثيرا" (۵۸)

اگر تلاش کرنے والا تلاش کرے تو اسے اس طرح کی مثالیں قرآن پاک میں بکثرت مل جائیں گی۔

مناسبتِ سجع کی خاطر کلمات میں تبدیلی کی مثالیں قرآن پاک سے تو ذکر کر دی گئیں، احادیثِ مبارکہ سے مثالیں درج ذیل ہیں:

(۱) صحیح بخاری میں مذکور ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو حفاظت کی دعاء دیتے اور فرماتے کہ یہی دعاء تمہارے جد امجد حضرت ابراہیمؑ اپنے بیٹوں حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ کو پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

الفاظِ دعاء یہ ہیں:

"أعوذ بكلمات الله التامة، من شيطان وهامة، وعين لامة" (۵۹)

میں شیطان، زہر دار کیڑے اور سخت اور لگنے والی نظر سے اللہ رب العزت کے کامل کلمات کی پناہ میں آتا ہوں۔

اس مقام میں اصل لفظ "عين لامة" کے بجائے "عين ملمة" تھا جسے رعایتِ سجع کی بناء پر "لامة" سے تبدیل کر دیا۔

(۲) ایک دوسرے مقام پر ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

اللهم لا عيش إلا عيش الآخرة فاغفر للأنصار والمهاجرة (۶۰)

یعنی اے اللہ! بلاشبہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے لہذا انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمادے۔

یہاں دراصل "المهاجرة" کا لفظ "الآخرة" کے ساتھ مناسبت کی وجہ سے ذکر کیا گیا ورنہ اصل لفظ "المهاجرين" تھا۔

(۴) حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حبشہ اور ترکی کے علاقوں کے فتح ہونے کی پیشین گوئی کرتے ہوئے نصیحت فرمائی:

"دعوا الحبشة ما ودعوكم واتركوا الترك ما تركوكم" (۶۱)

اہل حبشہ کو اس وقت تک نقصان نہ پہنچانا جب تک کہ وہ تم سے مصالحت سے پیش آئیں اور اہل ترک کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھنا۔

اس مقام پر اصل لفظ "وادعوکم" (ازموادعت بمعنی مصالحت) تھا جسے "ترکوکم" کی مناسبت سے "ودعوکم" سے تبدیل کر دیا۔

☆ علامہ ابن الاثیر اور یحیی بن حمزہ علوی نے "سجعِ مقبول" کیلئے چار شرائط بیان کی ہیں۔ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) سجع کے الفاظ شیریں اور دل آویز ہوں، ان میں ایسی دلکشی ہو کہ سامعتیں ان کی طرف مائل ہوں، کان ان کو سنتے وقت لذت وسرور کی کیفیت سے سرشار ہوں، الفاظ کی باہمی مطابقت اور طرزِ کلام کی یکسانیت خصوصیت سے مدِ نظر رکھی جائے اور الفاظِ کلام کی عمدگی اور خوبی کا پہلو نظر انداز نہ ہونے پائے۔

(۲) الفاظِ مسجوعہ کو اولین حیثیت حاصل نہ ہو، ان کے بجائے معنوی جہت کو اولین مقام حاصل ہو، الفاظ کی تحسین کا درجہ معانی کے بعد اور ثانوی ہو۔

(۳) الفاظِ سجع غیر مانوس اور اجنبی نہ ہوں، نہ ہی ایسے الفاظ استعمال کئے جائیں کہ جو کلام کی حیثیت کو کمزور کردیں اور کلام درجۂ بلاغت سے گر جائے۔ الغرض مانوس ومعروف اور معتبر ودلکش الفاظ کا انتخاب ضروری ہے۔

(۴) کلامِ مسجوع کے دونوں حصوں میں سے ہر ایک میں پائے جانے والے کلام کا معنی ومفہوم دوسرے حصہ سے مختلف ہونا ضروری ہے وگرنہ کلام یکسانیت اور تکرار کا شکار ہوجائے گا (۶۲)۔

ان چاروں شرائط کا اعتبار ہر سجعِ مقبول میں ہونا ضروری ہے۔

☆ علامہ سعد الدین تفتازانی نے سجع کی نفی پر دلیل پیش کی تھی کہ ہمارے پاس سجع کی اصطلاح کو قرآن کیلئے استعمال کرنے کیلئے کوئی شرعی دلیل یا شرعی اجازت موجود نہیں۔ اس کا جواب قائلینِ سجع کی طرف سے یہ جواب دیا جاتا ہے کہ علامہ سعد الدین تفتازانی نے اس دلیل کو بیان کرنے کے بعد خود اس دلیل کو ''فیہ نظر'' کہہ کر ''محلِ اشتباہ'' قرار دیا ہے (۶۳)۔

☆ علامہ خفاجی نے ''عدمِ قائلینِ سجع'' کی ''سجع'' کو ''فاصلہ'' کے نام سے موسوم کرنے کی بہترین وجہ بیان فرمائی ہے۔ ان کے مطابق ''سجع'' کے لفظ سے اعراض کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک جیسے اعلیٰ وارفع خدائی کلام کیلئے ایسے الفاظ کا انتخاب کیا جائے کہ جو دوسرے کلاموں میں عام نہیں، خصوصاً وہ الفاظ یا اصطلاحات قرآن پاک کیلئے استعمال نہ کی جائیں جو کاہنوں کے کلام کیلئے شائع ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں کہ مذکورہ وجہ کے علاوہ ''سجع'' کا لفظ قرآنی کلمات کیلئے استعمال کرنے میں کوئی اور مانع نظر نہیں آتا۔

" وأظن أن الذی دعا أصحابنا إلی تسمیة کل ما فی القرآن فواصل ولم یسموا ما تماثلت حروفه سجعا، رغبة فی تنزیه القرآن عن الوصف اللاحق بغیره من الکلام والمروی عن الکهنة وغیرهم، وهذا غرض فی التسمیة قریب" (۶۴)

☆ قائلینِ سجع پر ایک اعتراض یہ وارد ہوتا ہے کہ اگر کلامِ مسجوع، کلامِ غیر مسجوع پر افضل ہے تو پورا قرآن مسجوع ہونا چاہئے تھا حالانکہ صورتِ حال ایسی نہیں؟

اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ خفاجی فرماتے ہیں:

" إن القرآن أنزل بلغة العرب وعلی عرفهم وعادتهم وکان الفصیح من کلامهم لا یکون کلامه کله مسجوعاً لما فی ذلك من إمارات التکلف والاستکراه والتصنع" (۶۵)

قرآن پاک کا نزول قواعدِ لغتِ عرب اور اہل عرب کے عرف وعادت کے مطابق ہوا ہے، اور فصحاءِ عرب کا سارا کلام مسجوع نہیں ہوا کرتا کیونکہ پورے کلام کو مسجوع ومقفی لانے میں تکلف اور تصنع ہے، اسی وجہ سے پورا قرآن پاک مسجع نازل نہیں ہوا۔

مذکورہ بالا اعتراض کا جواب دیتے ہوئے علامہ ابن الاثیر دو وجوہ بیان فرماتے ہیں۔

(۱) إنه سلك به مسلك الإيجاز والاختصار، والسجع لا يؤتى فى كل موضع من الكلام على حد الإيجاز والاختصار، فترك استعماله فى جميع القرآن لهذا السبب"

(۲) وههنا وجه آخر هو أقوى من الأول... لأن ورود غير المسجوع معجزا أبلغ فى باب الإعجاز من ورود المسجوع" (۶۶)

پہلی وجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن پاک میں اختصار کا پہلو مدِ نظر رکھا گیا ہے، اور کلام میں ہر موقع پر مقفی و مسجع کلام لانے کی صورت میں اختصار کی خصوصیت برقرار نہیں رہتی لہذا مکمل قرآن پاک کو اس صنفِ کلام کے ساتھ متصف کر کے نہیں لایا گیا۔ دوسری وجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ یقیناً مسجع کلام، غیر مسجع کلام پر برتر ہے مگر قرآن پاک کے اعجاز اور بلاغت کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ غیر مسجع انداز میں کلام ذکر کر کے اس کو اس درجۂ کمال تک پہنچا دیا کہ فصحاء وبلغاء عرب کے مسجع کلام کو اس کے مقابلہ سے عاجز کر دیا۔ اسی بلاغی پہلو کی خاطر قرآن پاک کو مکمل طور پر مسجع نازل نہیں کیا گیا۔

سجع اور موسیقیتِ قرآن:

قرآنی آیات کے مقفی وغیر موزون اواخرِ آیات کیلئے ''فاصلہ'' کی اصطلاح کے ساتھ ساتھ ''سجع'' کی اصطلاح استعمال کی جائے یا نہ کی جائے، بہر حال اس کی وجہ سے قرآن پاک کی موسیقیت اور ترنم پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا، کیونکہ فاصلہ اور سجع دونوں کا مقصد کلام کے حسن میں اضافہ کرنا ہے، نیز قرآن پاک کی موسیقیت ایک مخصوص اور مستقل نظام کے تابع ہے اور یہ نظام شعری اور نثری قواعد کا پابند نہیں۔ اس نظام کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

آیات قرآنیہ کی موسیقی اور اسکا اسلوب ونظام:

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کے نزدیک قرآنِ پاک میں فنِ قوافی کے قواعد کا لحاظ اس وجہ سے نہیں رکھا گیا کہ قرآن عرب وعجم سب کیلئے نازل ہوا، اور ان سب قوموں کے ہاں اوزانِ شاعری اور قوانینِ شاعری وقوافی مختلف ہیں لہذا قرآن نے ان سب معیارات سے ہٹ کر اپنا ایک الگ معیار اور میزان بنایا اور اس کے موافق قرآنی قوافی وفواصل کی تشکیل ہوئی۔

موسیقی کے اس نظام کے بارے میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''الفوز الکبیر'' میں لکھتے ہیں:

"وتلك القاعدة أنه اعتبر فى أكثر السور امتداد الصوت لا الطويل والمديد من البحور مثلاً، واعتبر فى الفواصل انقطاع النفس بالمدة وما تعتمد عليه المدة لا قواعد فن القوافى"(۶۷)

قاعدہ یہ ہے کہ خدا تعالی نے اکثر سورتوں میں آواز کی لمبائی کا اعتبار کیا ہے نہ کہ بحرِ طویل و مدید وغیرہ کا، اور فواصل میں سانس کے حرفِ مدہ پر ٹھہرنے پر اعتماد کیا ہے، یا جس پر مدہ اعتماد کرتا ہے، اس پر ٹھہرنے پر اعتماد کیا ہے، فنِ قوافی کے قواعد کا لحاظ نہیں رکھا۔

مصطفیٰ صادق الرافعی موسیقی کے اس نظام کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

" وما هذه الفواصل التى تنتهى بها آيات القرآن إلا صور تامة للأبعاد التى تنتهى بها جمل الموسيقى... وتراها أكثر ما تنتهى بالنون والميم وهما الحرفان الطبيعيان فى الموسيقى نفسها، أو بالمد، وهو كذلك طبيعى فى القرآن"(۶۸)

یہ فواصل جن پر آیات قرآنیہ کا اختتام ہو رہا ہے، ان ابعاد (مقاماتِ وقف) کی کہ جن پر موسیقی کے جملے مکمل ہو جاتے ہیں، بہترین صورتیں ہیں اور آپ دیکھتے ہیں کہ فواصلِ قرآنیہ میں سے اکثر نون یا میم پر اختتام پذیر ہوتے ہیں اور انہیں دو حروف یا ان کو لمبا کرنے سے قدرتی موسیقی جنم لیتی ہے اور یہ اسلوب قرآن پاک میں بعینہ جاری ہے۔

سید قطب شہید اپنی معروف کتاب ''التصویر الفنی فی القرآن'' میں لکھتے ہیں:

" تغلب قافية النون والميم وقبلهما ياء أو واو على جميع القوافى فى سور القرآن"(۶۹)

قرآن پاک کی سورتوں میں سب سے زیادہ کثیر الاستعمال قافیہ نون اور میم کا ہے جن سے پہلے یاء یا واوٗ ہوتی ہے۔

قرآنی موسیقی کے اسلوب و نظام پر مزید کلام کرتے ہوئے سید قطب شہید لکھتے ہیں:

☆ قرآن میں پائی جانے والی موسیقی (صوتی ہم آہنگی) کی متعدد انواع و اقسام ہیں۔ قرآنی موسیقی کا انداز و اسلوب سارے قرآن پاک میں یکساں نہیں ہے بلکہ یہ موقع ومحل، سیاق وسباق اور ماحول کے ساتھ گہری مطابقت رکھتی ہے اور موقع ومحل اور ماحول کے بدل جانے سے اس موسیقی کے اسلوب میں بھی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے، نیز یہ مطابقت تعبیر و بیانِ قرآن کے سلسلہ میں بھی مدد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔

☆ قرآنی موسیقی میں خصوصی لحاظ اواخرِ آیات کے لمبے یا چھوٹے ہونے کا بھی رکھا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے کہ ایک ہی کلمہ کے مختلف حروف اور ایک ہی آیت اور اس کے فاصلہ میں الفاظ کے درمیان نظم وترتیب کس انداز پر واقع ہوئی ہے۔

اللہ رب العزت نے اہل عرب کے قرآن کے بارے میں نظریئے اور اس کے جواب میں فرمایا:

﴿بَلِ افْتَرٰهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ﴾ (۷۰)

نہیں بلکہ اس (محمد ﷺ) نے اس (قرآن) کو اپنی طرف سے بنالیا ہے (نہیں نہیں) بلکہ یہ (شعر ہے) جو اس شاعر کا نتیجہ طبع ہے۔

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِيْ لَهٗ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ﴾ (۷۱)

اور ہم نے اس (محمد ﷺ) کو شعر گوئی نہیں سکھلائی اور نہ وہ اس کو شایاں ہے۔ یہ تو محض نصیحت اور صاف صاف قرآن (پُراز حکمت) ہے۔

قرآن نے بجا فرمایا کہ وہ شعر وشاعری نہیں مگر بات یہ ہے کہ اہل عرب نہ تو پاگل تھے اور نہ ہی شعر کی خصوصیات واوصاف سے بے گانہ تھے۔ اس لئے جب انہوں نے قرآن کو شعر کہا تو اس کے پیچھے کوئی نہ کوئی وجہ ضرور تھی۔ حقیقت یہ تھی کہ قرآن پاک کی منظر نگاری نے عربوں کی قوتِ متخیلہ پر اور اس کے ساحرانہ اندازِ کلام نے ان کے وجدان پر جادو کا سا اثر ڈالا۔ قرآن کے صوتی حسن وجمال سے ان کے کان مانوس ہو گئے اور اگر وزن وقافیہ سے صرفِ نظر کرلیں تو یہی شعر کی بنیادی خصوصیات ہیں۔

☆ علاوہ ازیں قرآن پاک نے شعر ونثر دونوں کی خوبیوں کو اپنے اندر سمیٹ لیا۔ قرآن پاک وزن وقافیہ کی پابندیوں سے آزاد ہے اور بایں طور اس میں حریتِ تعبیر اور بیان کا وصف پوری طرح موجود ہے، جس سے شعر عاری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ قرآن نے شعری اوصاف میں سے داخلی موسیقی کو اپنے اندر سمولیا ہے۔ آیات کے اواخر میں پائے جانے والے متقارب فی الوزن الفاظ نے قرآن کو اوزان سے بے نیاز کر دیا ہے، اسی طرح قافیہ نما الفاظ کے ہوتے ہوئے اصل قافیہ کی ضرورت باقی نہ رہی۔ ان تمام صفات سے متصف ہونے کی وجہ سے قرآن پاک نثر اور نظم دونوں کے اوصاف وخوبیوں کا حامل وجامع ہے۔

☆ دورانِ تلاوت قاری محسوس کرتا ہے کہ قرآن پاک میں صوتی حسن اور ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور اس کا اظہار عموماً ایسی مختصر سورتوں اور آیات میں ہوتا ہے کہ جہاں فواصلِ آیات قریب قریب ہوتے ہیں یا ایسے مقامات پر ہوتا ہے کہ جہاں کسی واقعہ کی تصویر وتعیین مقصود ہوتی ہے۔ لمبی صورتوں میں کسی حد تک یہ ہم آہنگی خفاء میں چلی جاتی ہے، یہاں تک کہ تشریعی احکامات پر مشتمل آیات گویا اس صوتی حسن سے بالکل خالی ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ النجم کی مندرجہ ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

﴿وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ

الْاُنْثٰی تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰی﴾ (۷۲)

مذکورہ بالا آیات کے فواصل وزن میں تقریباً برابر ہیں مگر انکا وزن، عربی اشعار کے وزن سے مختلف ہے۔ حرف القافیہ بھی سب آیات میں ایک ہی ہے۔ وزن وقافیہ کے متحد ہونے کی وجہ سے ان آیات میں موسیقی جیسی ہم آہنگی پیدا ہوگئی ہے، چونکہ مذکورہ آیات چھوٹی چھوٹی ہیں، اس لئے ان میں موسیقی کی دھن بھی چھوٹی ہے۔ سب آیات میں صوتی انداز واسلوب ایک ہی ہے، اس لئے سب آیات ہم آہنگ اور متحد ہیں۔

قرآنی موسیقی میں مذکورہ بالا تمام امور کو قصداً ملحوظ رکھا گیا ہے اور آیات کے بعض فواصل سے تو صاف نظر آتا ہے کہ ان میں ہم آہنگی ارادی طور پر ملحوظ رکھی گئی ہے، مثلاً آیت ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى﴾ اگر یوں ہوتی: ﴿اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ﴾ تو ﴿الأخرى﴾ کے فاصلہ کی عدم موجودگی کی وجہ سے قافیہ میں فرق پڑ جاتا اور دھن باقی نہ رہتی۔

اسی طرح یہ آیت ﴿الكم الذكر وله الأنثى، تلك إذا قسمة ضيزى﴾ اگر یوں ہوتی: ﴿اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ إِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى﴾ تو وہ صحیح ہم آہنگی برقرار نہ رہتی جو لفظ ﴿إذا﴾ کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔

یہاں یہ بات نہیں کہی جاسکتی کہ ﴿الأخرى﴾ اور ﴿إذا﴾ کے الفاظ کو محض عبارت آرائی اور فقط وزن وقافیہ کی رعایت کی خاطر زائد طور پر لایا گیا ہے، اس لئے کہ یہ الفاظ زائد نہیں بلکہ سیاقِ کلام کے بعض خصوصی نکات کیلئے ان کو لایا گیا ہے۔ یہ قرآن کریم کی ایک فنی خصوصیت ہے کہ کسی لفظ کو ایک خاص معنی ومفہوم کی ادائیگی کیلئے لایا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے ذریعہ سے قرآن پاک کے صوتی حسن وجمال میں بھی اضافہ ہوجائے (۷۳)۔

☆ مذکورہ نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ محمد الصادق عرجون رقمطراز ہیں:

"فآيات الأحكام والتشريع يغلب عليها الطول والبعد عن السجع ورنين الفواصل، ويكثر ذلك فی السور المدنية فسورة البقرة أطول سور القرآن وأعظمها اشتمالاً على الأحكام التشريعية، لا تكاد ترى فيها سجعاً أو فقراً قريبة الفواصل... أما غير آيات الأحكام والتشريع فليس ثمة ما يمنع فيها من السجع والتقسيم ورنين الفواصل، وربما زادها ذلك جمالاً وحلاوة فی السمع على ما نراه فی كثير من سور القرآن،، (۷۴)

آیات احکام وتشریع میں طوالت اور سجع وفواصل کے ترنم سے دوری غالب نظر آتی ہے اور یہ صورت حال مدنی سورتوں میں کثیر ہے جیسا کہ سورۃ بقرۃ قرآن پاک کی سب سے طویل سورۃ ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس میں دیگر سورتوں کی نسبت احکام تشریعہ زیادہ ہیں، آپ اس میں سجع اور قریب الفواصل فقرے نہیں دیکھتے... جہاں تک آیاتِ احکام وتشریع کے علاوہ آیات کا تعلق ہے، اُن میں سجع اور فواصل کے ترنم سے کوئی چیز مانع نہیں ہے اور یہی صورت حال خوبصورتی اور شیرینی سماعت کی طرف لے جاتی ہے جو کہ ہمیں قرآن پاک کی اکثر سورتوں میں نظر آتی ہے۔

خلاصۂ کلام:

''قائلینِ سجع''، اور ''عدمِ قائلینِ سجع'' کے مذاہب اور دلائل و براہین کا تفصیلی مطالعہ کرنے سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

☆ قائلین ورودِ سجع فی القرآن اور منکرین سجع کا اختلاف دراصل اختلافِ لفظی سے بڑھ کر نہیں ہے کیونکہ جس سجع کے قرآن میں ورود کی منکرین نفی کرتے ہیں، وہ ''سجع مذموم'' ہے اور اس سجع مذموم کے قرآن میں ورود کے تو قائلینِ سجع بھی قائل نہیں۔

اسی بات کی تائید علامہ محمد الصادق عرجون کی درج ذیل عبارت سے ہوتی ہے۔

"والظاهر أن المسئلة نشأت من اختلاف منهج المتكلمين مع منهج الأدباء والبلاغيين وهو اختلاف تعبير وليس اختلاف جوهر في حقيقة علمية أو قضية فنية، فالمتكلمون لا ينكرون أن في القرآن فقراً وآيات متوازنة مقفاة غير موزونة بأوزان الشعر، يسمونها فواصل وآيات، ولا يسمونها سجعاً وازدواجاً، والبلاغيون والأدباء لا يتوقفون في تسمية تلك الفقر سجعاً، والجميع متفقون على أن هذه الفقر مما كان اللفظ فيها تابعاً للمعنى موجود في القرآن، فالخلاف – كما يقول علمائنا – لفظي،، (۷۵)

یہ بات ظاہر ہے کہ اس مسئلے نے متکلمین اور اُدباء و بلغاء کے مناہج کے اختلاف سے جنم لیا ہے اور یہ محض تعبیر کا اختلاف ہے اور کوئی خالص علمی اور فنی اختلاف نہیں ہے۔ متکلمین اس بات کا انکار نہیں کرتے کہ قرآن پاک میں مقفیٰ جملے اور ہم وزن آیات موجود ہیں، جن کا وزن، وزن شعری کی طرح نہیں ہے۔ متکلمین ان کو فاصلہ اور آیت کا نام دیتے ہیں، اور انہیں سجع اور ازدواج کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔ اس کے برخلاف اُدباء و بلغاء ان مسجع اور موزون فقروں کو سجع کا نام دینے میں کوئی توقف نہیں کرتے۔ الغرض تمام حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ یہ فقرے اس صنف کلام سے تعلق رکھتے ہیں کہ جس میں لفظ معنی کے تابع ہوتا ہے اور یہ صنف قرآن پاک میں پائی جاتی ہے لہذا یہ اختلاف محض اختلاف لفظی ہے۔

☆ مذکورہ بالا دلائل کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ منکرینِ ورودِ سجع فی القرآن کا قرآن پاک سے سجع کی مطلقاً نفی کر دینا درست نہیں کیونکہ سجع کا صحیح مصداق ''سجعِ محمود'' ہے، جس کا وجود قرآن پاک سے ثابت ہے۔

☆ قرآن پاک کے مقفی وغیر موزون اواخرِ آیات کے لئے ''سجع'' کی بجائے ''فاصلہ'' کی اصطلاح استعمال کرنا قرینِ قیاس ہے تاکہ کلام ازلی وابدی کی کلامِ حادث کے ساتھ لفظی مناسبت سے بھی اجتناب ہو سکے۔

☆ قرآنی آیات کے مقفی وغیر موزون اواخرِ آیات کیلئے ''فاصلہ'' کی اصطلاح کے ساتھ ساتھ ''سجع'' کی اصطلاح استعمال کی جائے یا نہ کی جائے، بہرحال اس کی وجہ سے قرآن پاک کی موسیقیت اور ترنم پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔

☆ قرآن پاک کی موسیقیت ایک مخصوص اور مستقل نظام کے تابع ہے جو کہ نظام شعری اور نثری قواعد کا پابند نہیں نیز یہ نظام نثر اور نظم دونوں کے اوصاف وخوبیوں کا حامل و جامع ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ابن منظور افریقی، جمال الدین محمد بن محمد مکرم، لسان العرب، تحقیق علی شیری، دار احیاء التراث العربی، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۸ء، ۱۷۹/۶، ۱۸۰

۲۔ الازدی، ابوبکر محمد بن الحسن، جمہرۃ اللغۃ، تحقیق رمزی منیر بعلبکی، دار العلم للملایین، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷ء، ۴۷۴/۱

3. Edward William Lane, An Arabic-English Lexicon, Asian Educational Services, Dehli, India, 2003، 4/1309

۴۔ ابن سنان الخفاجی، عبداللہ بن محمد، ابو محمد، سر الفصاحۃ، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۷۱

۵۔ ابن الاثیر، ضیاء الدین، المثل السائر فی ادب الکاتب والشاعر، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، المکتبۃ العصریۃ للطباعۃ والنشر، بیروت، لبنان، ۱۹۹۵ء، ۱۹۵/۱

۶۔ الخطیب القزوینی، محمد بن عبدالرحمان، جلال الدین، تلخیص المفتاح، مکتبہ شرکۃ علمیۃ، ملتان، پاکستان، س ن، ص ۱۰۴؛ الخطیب القزوینی، محمد بن عبدالرحمان، جلال الدین، الایضاح فی علوم البلاغۃ، تحقیق بہیج غزاوی، دار احیاء العلوم، بیروت، لبنان، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۹۹۸ء، ص ۳۶۲

۷۔ یحیٰی بن حمزہ، العلوی، الیمنی، الامام، کتاب الطراز المتضمن لأسرار البلاغۃ وعلوم حقائق الاعجاز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، س ن، ۱۸/۳

۸۔ جمہرۃ اللغۃ، ۴۷۴/۱

۹۔ الباقلانی، محمد بن الطیب، ابوبکر، اعجاز القرآن، تحقیق سید احمد صقر، دار المعارف، مصر، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۹۵۴ء، ص ۵۸؛ الزرکشی، محمد، بدر الدین، البرہان فی علوم القرآن، تحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الفکر، لبنان، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۸۸ء، ۸۶/۱

۱۰۔ السیوطی، عبدالرحمان، جلال الدین، اتمام الدرایۃ لقراء النقایۃ، تحقیق الشیخ ابراھیم العجوز، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۵ء، ص ۱۴۴

۱۱۔ محمد الحسناوی، الفاصلۃ فی القرآن، المکتب الاسلامی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۶ء، ص ۱۰۱۔۱۰۳

۱۲۔ تلخیص المفتاح، ص ۱۰۵؛ الایضاح فی علوم البلاغۃ، ص ۳۶۴

۱۳۔ الفاصلۃ فی القرآن، ص ۱۰۱۔۱۰۳

۱۴۔ مسلم بن الحجاج، القشیری، صحیح مسلم، تحقیق محمد فؤاد عبدالباقی، کتاب القسامۃ والمحاربین والقصاص والدیات، باب دیۃ الجنین، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س ن، ۱۳۰۹/۳

۱۵۔ ابن حجر العسقلانی، احمد بن علی، فتح الباری شرح صحیح البخاری، تحقیق محب الدین الخطیب، قولہ باب قول اللہ تعالیٰ: ونضع الموازین القسط، دار المعرفۃ، بیروت، لبنان، س ن، ۵۴۰/۱۳

۱۶۔ الھندی، علی بن حسام، علاء الدین، کنز العمال، تحقیق محمود عمر الدمیاطی، باب تتمۃ الدیات، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۸ء، ۵۳/۱۵

۱۷۔ ابن حبان، محمد، ابوحاتم، البستی، صحیح ابن حبان، تحقیق شعیب الارناؤوط، موسسۃ الرسالۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۳ء، ۳۷۵/۱۳

۱۸۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، صحیح البخاری، تحقیق مصطفیٰ دیب البغا، دار ابن کثیر الیمامۃ، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۹۸۷ء، ۲۳۳۴/۵

۱۹۔ صحیح ابن حبان، باب ذکر الزجر عن اکثار المرء السجع فی الدعاء، ۲۵۸/۳

۲۰۔ الرمانی، علی بن عیسیٰ، ابوالحسن، النکت فی اعجاز القرآن (ثلاث رسائل فی اعجاز القرآن) تحقیق محمد خلف اللہ، الدکتور محمد زغلول، دار المعارف، مصر، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۶۸ء، ص ۹۷

۲۱۔ اعجاز القرآن، ص۵۹
۲۲۔ ایضاً، ص۶۰
۲۳۔ سورۃ طٰہٰ ۲۰:۷۰
۲۴۔ اعجاز القرآن، ص ۶۱
۲۵۔ سورۃ القصص ۲۸:۳۴
۲۶۔ الفاصلۃ فی القرآن، ص۱۰۹
۲۷۔ سورۃ حم السجدۃ ۴۱:۳
۲۸۔ ابن حجۃ، الحموی، خزانۃ الادب وغایۃ الارب، تحقیق عصام شقیو، دار ومکتبۃ الھلال، بیروت، لبنان، ۱۹۸۷، ۲/۴۱۱
۲۹۔ تلخیص المفتاح، ص۱۰۵؛ الایضاح فی علوم البلاغۃ، ص۳۶۴
۳۰۔ التفتازانی، سعد الدین، مختصر المعانی، المیز ان، لاہور، پاکستان، س ن، ص۳۱۴؛ التفتازانی، سعد الدین، المطول، المطبع المجتبائی، دھلی، س ن، ص۴۱۸
۳۱۔ الفاصلۃ فی القرآن، ص۱۰۱۔۱۰۳
۳۲۔ عبدالکریم، الخطیب، اعجاز القرآن، دار الفکر العربی، مصر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۶۴ء، ص۲۰۸، ۲۱۶
۳۳۔ فتحی، عبدالقادر فرید، الدکتور، فنون البلاغۃ بین القرآن وکلام العرب، ومکتبۃ النھضۃ، قاہرہ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۴ء، ص۴۳
۳۴۔ فؤاد، علی رضا، الدکتور، من علوم القرآن، دار اقراء، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۳ء، ص۱۳۲
۳۵۔ ماخوذ از سر الفصاحۃ، ص۱۷۲، ۱۷۳؛ مقدمہ اعجاز القرآن، ص۷۵
۳۶۔ سورۃ الطور ۵۲:۱۔۴
۳۷۔ سورۃ الاعلیٰ ۸۷:۱۔۴
۳۸۔ سورۃ المدثر ۷۴:۱۔۴
۳۹۔ سورۃ الضحیٰ ۹۴:۹، ۱۰
۴۰۔ سورۃ الفرقان، ۲۵:۱۱۔۱۳
۴۱۔ الحاکم، محمد بن عبداللہ، نیشاپوری، المستدرک علی الصحیحین، تحقیق مصطفیٰ عبدالقادر عطا، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۰ء، ۳/۱۴
۴۲۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، ابو عیسیٰ، الامام، سنن الترمذی، تحقیق احمد محمد شاکر، باب ما جاء فی الصلاۃ علی البسط، دار احیاء التراث العربی، بیروت، لبنان، س ن، ۲/۱۵۴
۴۳۔ ابو نعیم، احمد بن عبداللہ، الحافظ، الأصبہانی، حلیۃ الأولیاء، باب علی ابن ابی طالبؓ، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، ۱۴۰۵ھ، ۱/۷۸
۴۴۔ سر الفصاحۃ، ص۱۷۳
۴۵۔ السیوطی، عبدالرحمان، جلال الدین، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق استاذ محمد سکر، استاذ مصطفیٰ القصاص، مکتبۃ المعارف، ریاض، السعودیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۹۶ء، ۲/۲۷۴
۴۶۔ محولہ بالا
۴۷۔ ابو ھلال العسکری، الحسن بن عبداللہ، الصناعتین الکتابۃ والشعر، الباب الثامن فی ذکر السجع والازدواج، تحقیق علی محمد البجاوی، المکتبۃ العصریۃ، بیروت، لبنان، ۱۹۸۶ء، ص۲۶۰
۴۸۔ الجاحظ، عمرو بن بحر، ابو عثمان، البیان والتبیین، تحقیق فوزی عطوی، دار صعب، بیروت، لبنان، س ن، ۱/۱۵۳، ۱۵۴
۴۹۔ المثل السائر، القسم الثانی الالفاظ المرکبۃ، ۱/۱۹۵
۵۰۔ ایضاً، ۱/۱۹۷
۵۱۔ ابن القیم الجوزیہ، محمد بن ابی بکر، شمس الدین، الفوائد المشوق الی علوم القرآن وعلم البیان، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان، س ن، ص۲۲۸
۵۲۔ اعجاز القرآن لعبدالکریم الخطیب، ص۲۰۹، ۲۱۰
۵۳۔ من علوم القرآن، ص۱۳۲
۵۴۔ خزانۃ الادب وغایۃ الارب، ۲/۴۱۳

۵۵۔ سورۃ الضحیٰ ۹۳: ۱۔۳
۵۶۔ ایضاً، ۹۳: ۳
۵۷۔ سورۃ الدھر ۷۶: ۱۵
۵۸۔ خزانۃ الادب وغایۃ الارب، ۲/ ۴۱۳
۵۹۔ صحیح البخاری، کتاب الأنبیاء، باب یزفون، ۳/ ۱۲۳۳
۶۰۔ ایضاً، کتاب الرقاق، باب ماجاء فی الصحۃ والفراغ، ۵/ ۲۳۵۷
۶۱۔ النسائی، احمد بن شعیب، الامام، سنن النسائی الکبریٰ، تحقیق عبد الغفار سلیمان البنداری، سید کسروی حسن، غزوۃ الترک والحبشۃ، دار الکتب العلمیہ، بیروت، لبنان، ۱۹۹۱ء، ۳/ ۲۸
۶۲۔ المثل السائر، ۱/ ۱۹۷، ۱۹۸؛ کتاب الطراز، ۳/ ۲۲، ۲۳
۶۳۔ مختصر المعانی، ص ۳۱۴
۶۴۔ سر الفصاحۃ، ص ۱۷۴
۶۵۔ سر الفصاحۃ، ص ۱۷۴
۶۶۔ المثل السائر، ۱/ ۱۹۹
۶۷۔ شاہ ولی اللہ، الشیخ احمد، دھلوی، الفوز الکبیر فی اصول التفسیر، قدیمی کتب خانہ، کراچی، پاکستان، س ن، ص ۶۵
۶۸۔ الرافعی، مصطفیٰ صادق، اعجاز القرآن والبلاغۃ النبویۃ، دار الکتاب العربی، بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، س ن، ص ۲۱۷
۶۹۔ سید قطب، التصویر الفنی فی القرآن، دار الاضواء، قم، ایران، ۱۳۶۳ھ، ص ۸۴
۷۰۔ سورۃ الانبیاء ۲۱: ۵
۷۱۔ سورۃ یٰس ۳۶: ۶۹
۷۲۔ سورۃ النجم ۵۳: ۱۔۲۲
۷۳۔ التصویر الفنی فی القرآن، ص ۷۹۔۸۱
۷۴۔ محمد الصادق، عرجون، القرآن العظیم ھدایتہ واعجازہ فی اقوال المفسرین، مکتبۃ الکلیات الازھریۃ، مصر، ۱۹۶۶ء، ص ۱۷۵، ۱۷۶
۷۵۔ ایضاً، ص ۱۷۸